# انسان ـــ مذاہب کی روشنی میں

ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی☆

**Abstract:**

"Human being is the best of all creatures in the universe, a conscious & thoughtful one. But then also human thinking has been in search of the answer that what man is? What is the definition of this creature. Perhaps the human thinking could never discover the matter if there was no guidance in the form of religion. So in the light of religions, it became possible to understand that what is man? and what is the status & purpose of human life? although different religions present a apoint of view in this regard different from others, however the common things can be derieved about human being in the light of world religions."

سوفوکلیس (Sophocles) کے ڈرامے ''اڈیپس ریکس'' (Odipus Rex) میں سفنکس (Sphinx) کی پہیلی تھی کہ وہ کیا ہے؟ جو صبح کے وقت چار پیروں پر رینگتا ہے، دوپہر میں دو پیروں پر اور شام میں تین پر۔ اڈیپس نے یہ پہیلی بوجھ لی اور کہا ''انسان''۔ بلاشبہ انسان ظاہری طور پر گوشت پوست کے انہی اعضا کا مرکب ہے جو کائناتِ ارضی میں پائے جانے والے دیگر حیوانات رکھتے ہیں اور جس کی زندگی کا سفر اسی کیڑے کی طرح گزرتا ہے جس کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا بالترتیب چار، دو اور تین ٹانگوں پر چلتے گزر جاتا ہے لیکن فی الاصل انسان کیا ہے؟ اور گوشت پوست کا یہ وجود تخلیق کرتے ہوئے وہ کیا تصور تھا کہ جو خالقِ کائنات نے اسے تمام مخلوقات سے اشرف اور ملائکہ کا مسجود قرار دیا۔ جمال پانی پتی لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ وہ بنیادی سوال ہے جس پر انسانیت کی تمام علمی، فکری، تہذیبی اور تمدنی سرگرمیوں کا انحصار ہے۔ حتیٰ کہ انسان کی منزل اور اس کے سفر کی صحیح سمت کا تعین بھی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس بنیادی سوال کا جواب نہ مل جائے۔''(۱)

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

مکاتبِ فلسفہ اور علومِ انسانی کے تمام شعبے، نفسیات، اخلاقیات، معاشیات، عمرانیات، طبعیات، حیاتیات اور ادبیات اسی ایک سوال کے صحیح جواب کی جستجو کا سفر ہیں۔ جارج لوکاچ کے الفاظ میں:

"....There is no content of which man himself is not the focal point. The basic question is and will remain: "What is man?"(2)

(کوئی ایسا سرمایۂ فکر نہیں ہے جس میں انسان کی حیثیت ایک نقطۂ ارتکاز کی نہ ہو 'انسان کیا ہے؟'' یہ ایک بنیادی سوال ہے اور ہمیشہ رہے گا)

ذہن انسانی اب تک اس سوال کا شافی جواب نہیں دے سکا کہ انسان کیا ہے؟ اس کی اصل کیا ہے؟ اور کائنات میں اس کا وجود کیا مفہوم رکھتا ہے؟ دراصل انسانی وجود بے شمار رخ، بے شمار پہلو اور اپنے اندر بے شمار جہتیں رکھتا ہے اور ذہنِ انسانی ان جہتوں کو بحیثیت مجموعی دیکھنے اور پرکھنے سے قاصر رہا ہے۔ انسانی علوم و فلاسفہ انسان کی کسی ایک یا چند جہتوں کو سامنے رکھ کر انسان کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

جانور ، آدمی ، فرشتہ ، خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں (۳)

آدمی کی نہ صرف سیکڑوں شکلیں ہیں بلکہ اپنے وجود میں وہ ایک کائنات ہے جسے ہم کون الصغیر کہہ سکتے ہیں۔ کیتھلین رین انسان کے بارے میں مادی نقطۂ نظر کورد کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"...Man is not a species of animal but a new kingdom, ....(man) is an invisibal kingdom whose world is a mental world, subject to laws proper to itself which donot conform to the categories of time and space or to any of the laws of nature."(4)

انسان کے بارے میں کائنات اصغر (Microcosmos) کا تصور ہمیں کئی مذاہب اور فلسفوں میں نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے انسان دراصل دو دنیاؤں میں زندہ ہے۔ ایک اس کی داخلی دنیا ہے اور ایک خارجی دنیا (Macrocosmos) ہے۔ فلسفیوں نے وجودِ انسانی (Microcosmos) کو کائناتِ اکبر (Macrocosmos) کا ایک عکس قرار دیا ہے کہ انسانی وجود میں ویسے ہی تغیرات اور انقلابات رونما ہوتے ہیں کہ جو اس کے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات میں ظاہر ہوتے ہیں۔

گورجیف کہتا ہے کہ انسان تو کائنات کا عکس ہے۔ اس کی تخلیق اُنہی قوانین کی رو سے عمل میں لائی گئی تھی جن قوانین کی رو سے کائنات کی تخلیق عمل میں لائی گئی۔ لیکن انسان کے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات میں ہونے والے تغیرات بھی دراصل انسانی ذہن کے تجربات ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ دنیا کی حالت جو عہدِ حاضر میں ہے یا مستقبل میں ہوگی، یہ وہ صورت نہیں ہے جو غاروں میں رہنے والے انسانوں کے زمانہ یا اس سے قبل میں تھی۔

انسان کے کون الصغیر ہونے کے خیال کو اس زاویے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ انسان اس کائنات کا عکس نہیں بلکہ کائنات اس کا عکس ہے کیونکہ دنیا میں ہونے والی ترقی دراصل انسانی ذہن کے ارتقا کا نتیجہ ہے۔ اس اعتبار سے ہم انسان کے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات (Macrocosmos) کو وجود انسانی (Microcosmos) کا ایک پھیلا ہوا عکس قرار دیں تو غلط نہ ہوگا۔ انسان نے کائنات میں ایسے زبردست کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور دے رہا ہے کہ بقول کارل مارکس:

"The consequences of his activity can disappear only with the general extinction of terrestial globe."(5)

(انسانی سرگرمیوں کا تسلسل صرف اُسی صورت میں ختم ہوسکتا ہے کہ یہ کائنات نابود کے حادثے سے دوچار ہوجائے)

انسان کے بارے میں کائنات اصغر کا تصور اپنے اندر جامعیت رکھنے کے باوجود ایک مجرد (Abstract) تصور ہے کیونکہ یہ بذاتِ خود ایک سوال ہے کہ کائنات کیا ہے؟ کیا کائنات وہی ہے جسے ہم اپنے اردگرد پھیلے ہوئے ماحول کی صورت میں دیکھتے ہیں؟ سائنس کی ترقی کے ذریعے جہاں انسان معلوم سیاروں اور سیارچوں تک رسائی کی کوشش کررہا ہے، وہاں نئی سے نئی کہکشائیں بھی دریافت ہو رہی ہیں۔ بقول غالب:

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سرِنو زندگی ہو ، گر رہا ہو جایئے (۶)

انسان اور حیاتِ انسانی پر دیگر علوم کی نسبت مذہب ایک ایسا عامل اور ذریعہ ہے جو سب سے زیادہ بحث کرتا ہے۔ مذہبی علوم کے تمام تر مباحث کا ماحصل حقیقتِ انسان اور مقصدِ حیات سے روشناس کرانا ہے۔

مذاہب عالم میں ہندومت نہ صرف یہ کہ زمانی لحاظ سے اپنے اندر قدامت کا پہلو رکھتا ہے بلکہ بہت سی اسطوری روایات کی نیرنگی بھی رکھتا ہے۔ تاہم فکری اعتبار سے اُس کی تعلیمات کے بہت سے ایسے شعبے ہیں جن کو عصری افکار کے تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جہاں تک ہندومت میں تصورِ انسان کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ڈاکٹر ہردیال نے بہت اہم بات کی ہے کہ:

''ہندودھرم نے ہمارے سامنے برہمن (عالم۔ پوجاری) کو بطور ایک آدرشی انسان کے پیش کیا ہے''(۷)

دراصل ہندو مذہب کے دو پہلو ہیں ایک مخفی جسے وہ ''گیان مارگ'' یعنی غور و تفکر کا راستہ قرار دیتے ہیں اور جس پر چلنے کا حق صرف سادھوؤں اور فقیروں کو حاصل ہے، جو ترکِ دنیا کر کے اپنی ایک الگ جماعت بنا لیتے ہیں۔ لیکن ہندومت میں محض ترکِ دنیا کا عمل کوئی خاص مذہبی اہمیت نہیں رکھتا۔ ''مہابھارت'' میں ایسے لوگوں کے لیے بہت دلچسپ مثال تراشی گئی ہے۔ لکھا ہے:

''اگر گوشہ نشینی اور مجہولیت بہت بڑی خوبیاں ہوتیں تو تمام مخلوقات میں سے درخت اور پہاڑ سب سے افضل ہوتے جو چپ چاپ اور الگ تھلگ کھڑے رہتے ہیں اور کسی کی راہ میں مزاحم نہیں ہوتے۔''(۸)

دوسری طرف عام اور معمولی انسان ہیں جن کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ عملی ہندو دھرم کی پیروی کریں اور زندگی میں مجلسی فرائض کو بہ طریقِ احسن سرانجام دیں۔ اس نمایاں تفریق کے باوجود ہندو مذہب میں اول الذکر گروہ انسانی ایک مثالی گروہ ہے اور ہندومت ہر انسان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ اسے مجلسی فرائض سرانجام دینے کے ساتھ داخلی طور پر معاشرہ کی عام سطح سے اوپر اٹھنا چاہیے اور اپنے وجود کی تکمیل ان روحانی عناصر سے کرنی چاہیے جو ہمیں عام معاشرتی زندگی میں میسر نہیں آتے۔ پی ٹی راجو (p.t.Raju) لکھتے ہیں:

"Indian philosophy, on the whole exhots man to rise above social virtues.Social virtues are necessary so long as man lives within society. But a distinctive feature of Indian philosophy is its exhortation that man should rise above society.This feature is associated with the life of renunciation, the fourth stage of life, through which every man ought to pass."(9)

(ہندومت کے فلسفے میں انسان کو اِس امر کی نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ خود کو عام سماجی معاملات سے اوپر لائے۔ سماجی معاملات صرف اُسی حد تک ضروری ہیں کہ وہ معاشرے میں زندگی گزار سکے، لیکن ہندومت کا امتیازی پہلو اُس کی یہ ہدایت ہے کہ انسان کو عام معاشرتی سطح سے اوپر اٹھنا چاہیے یہ امر حیات کو تیاگ دینے سے متعلق ہے۔ یہ زندگی کا چوتھا درجہ ہے جس سے ہر انسان کو گزرنا چاہیے)

ہندومت کے نزدیک انسان آتما کی خلاّقی کا نتیجہ ہے۔ آتما دراصل ایک روحانی قوت ہے جو انسان کا جوہر بھی تصور کی جاتی ہے۔ آتما کے بارے میں دو مختلف تصورات ہیں۔ ویدانت کے نظریہ کے مطابق یہ قوت ساکن حالت میں ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق آتما ایک محرکِ غیر متحرک قوت ہے جبکہ اپنشد کے نظریات کی رو سے آتما ساکن نہیں بلکہ متحرک (Dynamic) ہے۔ بعض ہندو نظریوں میں آتما نہ تو ساکن ہے اور نہ متحرک۔ ہندوؤں میں برہمن طبقہ کی عزت و تکریم کی وجہ یہی نظریہ ہے کہ دراصل برہمن آتما کی اولاد ہیں اور ان کا احترام اسی طرح لازمی ہے جس طرح کہ آتما کا۔

ہندومت کے عقیدہ کی رو سے انسانیت پر جب بھی برا وقت آتا ہے اور عالمِ انسانی جب بھی کسی بڑے آشوب کا شکار ہوتا ہے تو ایک لاہوتی انسان ظاہر ہوتا ہے جو انسانوں کو ان کی اصل سے آگاہ کرتا ہے۔ اپنے مقالہ میں کیتھلین رین لکھتی ہیں:

"The hindu tradition holds that there have been several

revelations of divinity in human form.That whenever the world has fallen into spirutal darkness a new revelation of the divine person has again made known to us our own forgotten reality."(10)

(ہندومت کی روایت کی رُو سے انسانی شکل میں الوہیت کا الہامی ظہور متعدد بار ہوا ہے۔ جب بھی دنیا روحانی لحاظ سے ظلمت کا شکار ہوئی ہے ایک روحانی ہستی کے ظہور نے ہمیں اپنی فراموش کردہ حقیقت سے آگاہ کیا ہے)

ہندوؤں کا یہ تصور الہامی کتابوں اور بعثت انبیا کے تصور سے بھی مماثل ہے۔ دراصل ہندوؤں کے تین بڑے دیوتا ہیں: برہما، وشنو اور شو۔ ثانی الذکر دیوتا کے بارے میں ہندومت کا یہ نظریہ ہے کہ اسے انسانی دعاؤں، عبادتوں اور منتوں سے حرکت میں لایا جاسکتا ہے اور زندگی کے نازک مواقع پر اسے مادی دنیا میں نزول پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ نزول حلول کی صورت میں ہوتا ہے یعنی یہ دیوتا کسی بڑے انسان کی صورت میں ظاہر ہوکر معجزات دکھاتا ہے۔ رام اور کرشن اسی دیوتا کے اوتار ہیں یعنی ان دونوں ہستیوں میں وشنو نے بذاتِ خود حلول کیا تھا۔

ہندوؤں کے اسی نظریہ کی وجہ سے وہ اپنے ہیروز کے کارناموں کی توجیہہ کرتے ہوئے اسے وشنو کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ ہندومت میں تدبیر و تقدیر کے تصورات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کے مقابلے میں حق وصداقت کا دامن تھامے رکھنے پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ ''مہابھارت'' میں لکھا ہے:

''وہ جو تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اس قسم کے اعتقادات کے بغیر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ انسانوں کے ان دونوں طبقوں میں برے لوگ ہوسکتے ہیں۔ صرف وہ جو سچائی پر عمل کرتے ہیں وہی اچھے اور قابلِ تعریف ہیں''(۱۱)

انسان کی زندگی کے حوالہ سے ہندومت میں شروع میں یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد نیک انسان جنت میں جبکہ بدکردار لوگ جہنم واصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ مرنے کے بعد زندگی کا یہ سلسلہ دائمی صورت میں جاری رہتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہندوؤں میں یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے گزشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہتا ہے۔ انسان کی قسمت کا تعین اس کے گزشتہ جنم کے اعمال سے ہوتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک انسان مرنے کے بعد دوسرے جنم میں کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہو۔ وہ نباتات اور اسفل ترین حیوانات کی صورت میں بھی جنم لے سکتا ہے۔ ہندومت کے نظریہ کی رو سے نفسِ انسان، اصل کائنات ہے۔ انسان کا نفس حقیقت ہے اور باقی تمام موجودات محض ایک سراب سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اس لیے اگر انسان کائنات کا سرِ نہاں جاننا چاہتا ہے تو وہ اپنی ذات کے داخل میں جھانکے کیونکہ کائنات کا راز دراصل انسان کا باطن ہی بتا سکتا ہے۔

کسی نظریئے کے لیے مذہب ہونے کی بنیادی شرط تصورِ خدا ہے کہ اُس کے ماننے والے کسی الوہی طاقت کو اپنا معبود خیال کرتے ہوں۔ لیکن بدھ مت کے سلسلے میں یہ دلچسپ و عجیب بات ہے کہ اس نظریے میں کسی تصورِ خدا کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود اسے مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ بدھ مت میں نہ تو کسی خدا سے دعا کرنے کا تصور ہے، نہ ہی اپنے باطن میں خواہشات کو پالنے کا۔ سارناتھ کے علاقہ میں گوتم بدھ نے پہلی بار مجمع کے آگے تقریر کرتے ہوئے لوگوں سے کہا:

''دکھ جیون کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس سے نجات کی راہ یہی ہے کہ جیون کی خواہش کا اُلٹ ہو یعنی پورے خلوص سے دھرتی کی زندگی تیاگ دی جائے اور اس زندگی کی خواہش رتی بھر نہ رہے۔۔۔ نجات کسی بہشت میں داخل ہونے کا نام نہیں۔ نجات اس میں ہے کہ خاتمہ ہو جائے اور ہم نہ رہیں اور بستی اور سناٹا ہی باقی رہ جائیں۔''(۱۲)

گوتم بدھ کے یہ الفاظ ایک خاص انسان کے تصور کی تشکیل کرتے ہیں جو نہ صرف زندگی کے کرب میں مبتلا ہے بلکہ بے آرزو انسان بھی ہے یعنی انسان کی تمام تر مشکلات اور دکھوں کا سبب اس کا اپنا نفس ہے۔ سعید احمد کے الفاظ میں:

''فنائے مطلق کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مہاتما بدھ کے یاں زندگی ایسا گھاٹے کا سودا ہے کہ اس کو کسی شرط اور کسی قیمت اور کسی اجر کے قبول کرنا اودیا (جہل) ہے۔''(۱۳)

ایک بدھ شاعر شوگھوش کہتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی دیوانہ ہاتھی اتنی تباہی نہیں مچاتا جتنا کہ ایک بے قابو ہوا دماغ۔ اس لیے اپنے دماغ کو نیک توجہ کی زنجیروں سے ہمیشہ جکڑے رکھو۔ انسان کے اندر جنم لینے والی خواہشات اسے رنج میں مبتلا رکھتی ہیں۔ اگر انسان اپنے نفس پر حکمرانی کرنا سیکھ لیتا ہے تو خارج میں کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو اس کے مدِمقابل آ سکے۔

گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات میں اس بات پر زور دیا کہ انسان کو اپنی اخلاقی زندگی میں کسی مافوق العقل وجود کا سہارا نہیں لینا چاہیے بلکہ انسان اپنا نجات دہندہ آپ ہے۔ چال چلن کی پاکیزگی کا انحصار خدا کی عبادت نہیں بلکہ اس کا فیصلہ کرنے والی طاقتیں کچھ اور ہیں۔ انسانوں کو دکھ اور کرب کی حالت میں خدا کا خیال اس دکھ اور درد میں اضافہ کر دیتا ہے۔ خدا مصیبت کی حالت میں انسان کے لیے کچھ بھی مددگار ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ ہم خدا کے بغیر نہایت آرام اور سکون کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

گوتم بدھ نے ہندوؤں کے آتما کے نظریہ کی بھی سخت مخالفت کی اور کہا کہ انسان شروع ہی سے کسی نہ کسی خدا کو تراشتا رہا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کا تصور کائنات میں کشت و خون کا باعث بنتا ہے اور خدا پرستی قتل و غارت کا مذہب ہے۔ گویا اس کے نزدیک خدا کا تصور انسان کا قاتل ہے۔ لہٰذا انسان کو اب اس خدا سے اپنا دامن چھڑا لینا چاہیے جو اس کے کشت و خون کے درپے ہے اور انسان کو اپنی ذات ہی پر مکمل انحصار کرنا چاہیے۔ محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

''بدھ مت انسان سے خود اعتمادی کا مطالبہ کرتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ انسان اپنی کوشش

اور جدوجہد سے زندگی کی بلندترین منازل تک پہنچ سکتا ہے۔''(۱۴)

بلند ترین منازل پر پہنچنے سے مراد یہ نہیں کہ انسان اپنی ذات کو دوسری مخلوقات کی نسبت بلندتر خیال کرے جیسا کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ انسان دیگر مخلوقات کی نسبت ممتاز ہے۔ بدھ مت میں انفرادیت کا یہ تصور ایک ذہنی التباس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ انسان کا یہ سمجھنا کہ وہ کائنات میں ایک منفرد ہستی ہے اور وہ دیگر موجودات سے ممیّز ہے، ناقابلِ قبول تصور ہے۔ ارنسٹ بنز لکھتے ہیں:

> "It is to buddhism that such a commision of God to man to subjugate all creatures below himself is particularly unacceptable and offensive in view of the relation of man to the universe."(15)

(بدھ مت میں انسان کا دیگر مخلوقات کو مطیع ومفتوح بنانے کا خدائی اختیار نا قابلِ قبول اور کائنات سے انسان کے تعلق کے لیے ایک جارحانہ تصور ہے)

بدھ مت میں انسان کے دکھ اور کرب کی وجہ جہاں اس کی خواہشات ہیں وہاں اس کا یہ احساسِ تفاخر بھی ہے کہ رنج والم اس کوشش کا نتیجہ ہیں جو انسان اپنی ذاتی شخصیت کو قائم رکھنے اور دوسری مخلوقات اور موجودات سے اپنے آپ کو منفرد رکھنے کے لیے کرتا رہتا ہے۔ انسان کی حیثیت کائنات میں دوسری مخلوقات کی طرح ہی ہے۔ لہٰذا اسے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ کائنات اور دوسری مخلوقات سے الگ کوئی چیز ہے بلکہ اس کی حیثیت کائنات میں ایک بلبلے کی طرح ہے اور جس طرح کائنات میں ہر چیز کا وجود کسی نہ کسی سبب کا مرہونِ منت ہے اسی طرح انسان کا وجود بھی اسباب کے ایک تسلسل پر قائم ہے اور انسان اپنے اندر کسی مستقل جوہر کی جستجو نہیں کر سکتا۔ بدھ مت کے نزدیک روح کی ہمیشگی کا خیال بھی اعلیٰ نصب العین کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ انسان روح کے بارے میں ایک غلط عقیدہ میں الجھا ہوا ہے۔

زمانی لحاظ سے ہندومت اور بدھ مت کے بعد جس مذہب کے اثرات بنی نوع انسان پر ہمہ گیر ہیں وہ یہودیت ہے۔ اس کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ انسان حیوانیت اور روحانیت کے مابین ایک وجود کا نام ہے۔ انسان کا وجود روحانیت سے کچھ کم تر جبکہ حیوانیت سے کچھ برتر ہے اور ایک پنڈولم کی طرح لٹک رہا ہے۔ جسے خود غرضی نیچے یعنی حیوانیت کی طرف کھینچتی ہے جبکہ بے لوث جذبہ اسے عروج بخشتا ہے اور وہ روحانیت سے قریب تر ہو جاتا ہے۔

انسان کائنات کے اس کھیل میں کوئی معصوم کردار نہیں ہے تاہم اس کی روح ایک ایسا چراغ ہے جسے کائنات میں خدا نے روشن کر رکھا ہے اس اعتبار سے جہاں انسان خود ضرورت مند ہے وہاں اس کا وجود خدا کی بھی ضرورت ہے یعنی خدا انسان کی ذات میں اپنا ظہور کر رہا ہے۔

یہودی فکر میں انسان کو خدا کے تصور پر تخلیق کیا گیا ہے لیکن یہ تصور کوئی مجرد تصور نہیں ہے بلکہ یہ

تصور خدا کی اس فطرت پر مبنی ہے جس کے عناصر محبت، رحم اور قہر ہیں۔ان عناصر کے پیچھے دراصل ایک ہی جذبہ کارفرما ہے اور وہ ہے انصاف اور عدل کا جذبہ۔لہٰذا جو انسان اس جذبہ سے جس قدر مملو ہوگا وہ اسی قدر خدا کے تصور کا کامل نمونہ ہوگا۔پی ٹی راجو کے الفاظ میں:

> "....According to judaism, the man is the ideal image of God; and he becomes an ideal image if he essentialy righteous; and man can be his image only by being righteous."(16)
>
> (یہودیت کے مطابق انسان خدا کی مثالی تصویر ہے اور یہ مثالی تصویر وہ اُس وقت بنتا ہے جب وہ لازماً صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہو اور وہ صرف اِسی صورت ہی میں اُس کی مثالی تصویر بن سکتا ہے)

ہندو مت میں معاشرتی زندگی سے اوپر اٹھ کر خدا سے جس روحانی لگاؤ کا تصو ملتا ہے وہ یہودیت میں بھی ہے۔لیکن یہودیت میں انسان اور خدا کا تعلق کسی مجرد تصور پر مبنی نہیں ہے بلکہ معاشرہ میں انصاف اور عدل ہی خدا سے ایک زبردست تعلق کی بنیاد ہیں۔گویا معاشرتی زندگی میں انصاف اور عدل کا چال چلن انسان کا خدا سے رشتہ ہے۔

یہودی مذہب میں انسان کی حیات بعد از ممات کا کوئی واضح تصور نہیں ہے اور خدا کی بادشاہت بھی اسی دنیا میں قائم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔بقول محمد مظہر الدین صدیقی:

> ''بنی اسرائیل کے مذہبی راہنماؤں کی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا کا عدل وانصاف اس حیاتِ ارضی کے دوران میں قومی یا انفرادی تقدیر کی شکل میں تکمیل پذیر ہوجاتا ہے۔تمام بلند اخلاقی مقاصد اور اعلیٰ روحانی نصب العین مادی دنیا میں پورے ہوجاتے ہیں ان کی تکمیل یا جواز کے لیے کسی دوسرے عالم کا وجود ضروری نہیں۔''(۱۷)

یہودیت اس بات کی تائید نہیں کرتی کہ مرنے کے بعد انسان کو اپنے وجود کا کوئی احساس یا خواہش ستاتی ہے اس لیے کسی آئندہ زندگی میں معاوضہ کی خواہش سے کوئی نیک کام کرنا بے سود ہے بلکہ یہ ایک خود غرضانہ تصور ہے جو نیکی کے مقصد کو تباہ کردیتا ہے۔لہٰذا یہودیت اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان اپنی شخصیت کو اپنی ملت میں گم کردے کیونکہ اسی سمندر میں غرق ہوکر ہی انسان حقیقی ہستی کا حامل ہو سکتا ہے انسان ملت سے کٹ کر اس شہد کی مکھی کی طرح ہے جو اپنے چھتے سے الگ ہے یا وہ قطرہ جو دریا میں نہیں ہے۔

اسی طرح مذہب کی ظاہری رسوم یا اس کے فردعی قواعد وضوابط کی پیروی بے فائدہ ہے۔انسان کو اپنے باطن میں اخلاقی ترفع پیدا کرنا چاہیے اور دیگر انسانوں کے ساتھ معاملاتِ دنیا میں عدل و انصاف اور مساوات کے اصول پر کاربند رہے۔گویا یہودیت کا مثالی انسان ایک ایسا عادل انسان ہے جو

بغیر کسی لالچ کے احساس کے اپنی قوم اور ملت کے لیے وقف ہے۔

انسان کے بارے میں یہودیت اور عیسائیت کے عقائد میں یہ قدر مشترک ہے کہ انسان کو خدا کے تصور پر تخلیق کیا گیا ہے۔ کتابِ مقدس میں لکھا ہے:

''خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت میں اپنی شبیہہ کی مانند بنائیں گے۔۔۔اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔''(۱۸)

لیکن یہودی عقیدہ کے تحت خدا کو انسان سے بالکل غیر اور لاتعلق قرار دے دیا گیا۔ اہل یونان بھی اسی نظریہ کے حامل تھے کہ انسان کے معاملات اور واقعات سے خدا کو کوئی سروکار نہیں، وہ ایک کامل ذات ہے جو ناقص انسان سے کوئی دلچسپی نہیں رکھنا چاہتا۔ جبکہ عیسائی عقائد میں خدا انسان سے لاتعلق نہیں ہے۔

عیسائیت میں خدا اور انسان کے باہمی تعلق کو زیادہ گہرا کرنے کے لیے ''آسمانی باپ'' کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

مسیحی نظریہ کے مطابق خدا تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے جب اپنے جوہر کو محسوس کرنا چاہا تو کائنات کی تخلیق کی۔ خدا کی ذات کا جوہر محبت کا جذبہ ہے اور اس نے کائنات کو تخلیق کر کے اپنے جذبے کی تجسیم کی۔

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالبِ عشق ہوا صورتِ انسان میں آ(۱۹)

ارنسٹ بنز عیسائیت میں تصورِ کائنات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"God is an ens manifestativum sei, a being who forces himself towards his own manifestation and incarnation, and whose place of work, self manifestation and self realization, is the whole realm of the created universe."(20)

(خدا ایک غیر جسمانی ہستی ہے۔ جو اپنے جوہر کو مجسم کرنے پر مجبور کرتی ہے اور اس کائنات کی پوری قلمرو دراصل وہ جہان ہے جس میں اُس کا اپنا آپ مجسم ہوا ہے)

چونکہ انسان کو خدا کی شبیہہ پر تخلیق کیا گیا ہے اس لیے کائنات جہاں خدا کی ذات کا اظہار ہے وہاں انسانی وجود کا بھی ایک وسیع عکس ہے انسان اور خدا کے مابین اس لاثانی تعلق کے باعث وہ کائنات میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ وہ دوسری مخلوقات سے الگ ایک ارفع اور مقدس مقام رکھتا ہے اور انسان، کائنات کے لیے ایک دوسرا خدا ہے۔ عیسائیت میں انسان کے اس پُرعظمت اور پُرشکوہ تصور کے باعث بعض مسیحیوں میں یہ خیال عام ہے کہ خدا نے انسان کو تخلیق کر کے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔

انسان بطور شبیہہِ خدا سے مسیحی دو مطلب اخذ کرتے ہیں ایک اخلاقی شبیہہ یا صورت ہے جس

سے مراد وہ روحانی خاصیتیں ہیں جو پیدائشی طور پر انسان میں موجود ہیں یعنی حقیقی علم، راست بازی اور پاکیزگی، دوسری صورت ذاتی یا فطری صورت ہے اس سے مراد ہے کہ انسان ایک غیر فانی ہستی ہے لیکن انسان نے برگشتگی کے سبب اپنی پہلی صورت یعنی اخلاقی صورت کو گم کر دیا ہے تاہم وہ برگشتگی کے بعد ذاتی صورت میں اب بھی روحانی، ذی عقل اور غیر فانی ہستی ہے۔

مسیحیت کے عقیدہ کی رو سے دنیا میں پائی جانے والی برائی دراصل اس گناہ کے باعث ہے جو بنی نوع انسان کے نمائندہ یعنی ''آدم'' نے کیا تھا۔ اس گناہ کے باعث انسان نے اپنی اخلاقی صورت کو بگاڑ دیا اور اس بگاڑ کا اثر اس کی زندگی کے ہر حصہ پر ہوا۔ اور وہ اس قابل نہ رہا کہ وہ کسی قسم کی روحانی نیکی کر سکے۔ بقول لوئس برک ہاف:

> ''بنی نوع انسان کا طبعی طور پر سر تھا کیونکہ وہ انسانوں کا باپ تھا۔ اسی طبعی تعلق کے علاوہ خدا نے عہدی تعلق بھی پیدا کیا جس کے مطابق آدم اپنی اولاد کا نمائندہ بن گیا جب اس نے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے گناہ کیا تو اس کے گناہ کا جرم یا قصور واری ان سب کے اوپر آئی جن کی نمائندگی وہ کرتا تھا اور اس سبب سے وہ سب گناہ کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔''(۲۱)

انسانی تجربہ کی یہ عالمگیر حقیقت ہے کہ گناہ سے فرار ناممکن ہے اور گناہ انسان کی گہرائیوں میں جڑ پکڑے ہوئے ہے تاہم بعض مسیحی نظریات کی رو سے حضرت عیسیٰ کا مصلوب ہونا، تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ہے اس لیے پادری کے سامنے اعترافِ جرم کر لینے ہی سے انسان پاک ہو جاتا ہے۔

عیسائیت کا مثالی انسان ایک ایسا انسان ہے جو خلوص اور محبت کے جذبہ سے مملو ہے اور اپنے اس جذبہ کو عالمگیر سطح پر پھیلانا چاہتا ہے۔ عیسائیت میں محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی زندگی میں ایک زبردست تحرک کا باعث بنتا ہے۔ محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

> ''عیسیٰؑ کا پیغام، پیغام محبت تھا اور آپ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محبت اچھے کردار کی بنیاد اور اس کا محرک اعلیٰ ہے اگر انسان کے دل میں دوسروں کے ساتھ محبت کا جذبہ نہ ہو تو اس کی ساری مذہبیت بے کار ہے۔''(۲۲)

جناب عیسیٰؑ کا یہ پیغام جہاں انسان پر مذہب کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے وہاں انسانی معاشرہ میں موجود طبقات کو بھی سختی سے کچل دیتا ہے۔ اس اعتبار سے عیسائیت اپنے حلقہ میں انسانوں کے اتحاد کی تعلیم دیتی ہے اور اتحاد کا مرکز وہ کلیسا ہے جہاں تمام عیسائی بلا تمیز نسل و قوم ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ معروف مسیحی راہنما سینٹ پال نے اس حلقہ کو اور وسیع کیا۔ اس نے نہایت جرأت سے یہ اعلان کیا کہ ایک یہودی یا یونانی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ یہودی ہو یا یونانی، دونوں کا جسم ایک ہی ہے۔

یہودیت اور مسیحیت کے بعد جس مذہب نے بنی نوعِ انسان کو عالمگیر سطح پر فکر و نظر کے لحاظ سے متاثر کیا وہ اسلام ہے۔ دین اسلام میں انسان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہادی

اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری جانے والی کتابِ مبین کا موضوع 'انسان' ہے۔قرآن حکیم میں لفظ انسان ۴۵ سورتوں میں ظاہر ہوا ہے جبکہ ''الناس'' کا لفظ ۲۴۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔اسی طرح ایک سورۃ 'الناس' کے عنوان سے ہے جو قرآن حکیم کی آخری سورہ مبارکہ ہے۔ اسلام نے انسان کے بارے میں ایک نہایت واضح تصور دیا ہے جو کسی بھی اعتبار سے قنوطی نہیں بلکہ نہایت رجائی تصور ہے۔

تخلیق انسان کے حوالہ سے قرآن حکیم کے ارشادات ہیں:

''قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ''(۲۳)

''لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ''(۲۴)

ان ارشادات کی رو سے انسان ایک ایسی خوبصورت جنس ہے جسے کارگرِ مطلق نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی اس حسین تخلیق کو دیکھ کر ایسی سرخوشی کی کیفیت سے مسرور ہوا کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے سجدہ کریں۔انسان کی تخلیق کا حسن محض حسن ظاہری نہ تھا بلکہ وہ مدعا بھی تھا کہ جس سے اس وقت فرشتوں کو بے خبر رکھا گیا۔پس اس حسین مخلوق کو جس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اسے ذاتِ حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے مردود قرار دے دیا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان خلاصہ کائنات ہے اور اپنی ذات میں وہ کائنات کے تمام مدارج اور مظاہر کو سموئے ہوئے ہے۔یہی اوصاف اسے دیگر موجودات اور مخلوقات کی نسبت اشرف قرار دیتے ہیں۔ابراہیم مدکور رقمطراز ہیں:

"It (Islam) preaches his (man's) dignity and announces his superiority to many other creatures, and considers him the representative of God on earth.It is his duty to populate the earth and to direct its affairs according to his own wisdom."(25)

(اسلام عظمتِ آدم کا مبلغ ہے اور متعدد دیگر مخلوقات پر اُس کی برتری کا اعلان کرتا ہے اور اُسے زمین پر خدا کا خلیفہ تصور کرتا ہے۔ یہ اُس کا فریضہ ہے کہ وہ خود کو زمین پر آباد کرے اور اپنے معاملات کو اپنی دانش کی روشنی میں ترتیب دے)

انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور نیابتِ الٰہی کا یہ منصب ایسا ہے جسے کائنات کے دیگر موجودات نے قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن انسان نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔سورہ احزاب میں رب تعالیٰ فرماتا ہے:

''اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا''(۲۶)

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں نہ صرف انسان کو دیگر موجودات سے ممتاز قرار دیا گیا ہے بلکہ ایک پراسرار تمثیل کے ذریعے اسے کائنات میں اس کی نہایت غیر معمولی حیثیت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے اور

ساتھ ہی اسے اس جوہر کی تلاش کے لیے تلقین کی گئی ہے جسے فراموش کر کے انسان ظالم اور جاہل ہو چکا ہے اور اوجِ 'احسنِ تقویم' سے قعرِ 'اسفل سافلین' میں گر چکا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''یہ نقشہ اپنی چشمِ تصور کے سامنے لا کر ہی آدمی اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کائنات میں کس نازک مقام پر کھڑا ہوا ہے اب جو شخص اس امتحان گاہ میں بے فکر بن کر رہتا ہے اور کوئی احساس نہیں رکھتا کہ وہ کتنی بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور دنیا کی زندگی میں اپنے لیے کوئی رویہ انتخاب کرتے وقت جو فیصلے وہ کرتا ہے ان کے صحیح یا غلط ہونے سے کیا نتائج نکلنے والے ہیں، اُسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظلوم و جہول قرار دے رہا ہے۔ وہ جہول ہے کیونکہ اس احمق نے اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھ لیا ہے اور وہ ظلوم ہے کیونکہ وہ خود اپنی تباہی کا سامان کر رہا ہے اور اپنے ساتھ نہ معلوم کتنے اور لوگوں کو لے ڈوبنا چاہتا ہے۔''(۲۷)

سورۃ العصر میں ایسے ہی انسانوں کو خسارے کا سودا کرنے والے انسان قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام انسان سے جو بنیادی تقاضا کرتا ہے وہ حصولِ علم ہے کیونکہ شعور و بصیرت ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممیّز کرتا ہے اور انسان اپنی زندگی کے مقصد سے آگاہ ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ بھی اسی مدعا کے حصول پر مبنی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی آخرالزمان نے اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں انسان کے حصولِ علم پر بہت زور دیا ہے اور اس کے لیے ہر مشکل برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضور ﷺ کے ارشادات کی رو سے علم مومن کی میراث ہے اور جو شخص علم کے راستے میں جب تک ہے وہ خدا کے راستہ میں ہے۔

علم کے حصول سے مراد نیکی اور برائی کے مابین امتیاز کرنے کے شعور کا نام ہے لیکن بعض اوقات انسان اس راستے میں بھٹک بھی جاتا ہے۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ وہ عقل کے گھوڑے دوڑائے اسے چاہیے کہ وہ ترتیبِ نفس پر زور دے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اسلام میں انسانی عقل کی نفی کی گئی ہے بلکہ قرآن حکیم میں فلاح پانے والے لوگوں کے لیے 'اولوالالباب' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن کا منشا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اگر دنیا خواہی اور حرص و ہوس میں مبتلا رکھے گا تو اس کی محدود عقل صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہے گی۔ اس کے برعکس اپنے نفس کی ترتیب کرنے والا شخص اپنا ہر معاملہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنے سود و زیاں کا پیمانہ اللہ کی خوشنودی کو قرار دیتا ہے تو خدا اسے ایسی بصیرت عطا کرتا ہے کہ جس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنے لیے صراط المستقیم کا انتخاب کر سکتا ہے بلکہ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور وہ کائنات کی تسخیر کرنے کا بھی اہل ہو جاتا ہے۔

اسلام میں آخرت کے تصور کا مقصد انسان کی حرص و ہوس کو اس کے جسم سے نکالنا ہے۔ اس

تصور کے بغیر انسان محض ایک خود غرض حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔لہٰذا انسان کی یہ زندگی اس کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے اور جو انسان اس آزمائش سے گزر کر سرخرو ہو جاتے ہیں وہ فلاح پا جاتے ہیں اور جو شیطان کے کہنے پر صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں ان کو قیامت کے ایک زبردست عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔تاہم انسان کے لیے توبہ کے دروازے خدا کبھی بند نہیں کرتا۔

اسلام میں تصور عبادت اسی نظریہ کی بنیاد پر ہے۔اسلامی عبادات میں جہاں انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ وابستہ ہے وہاں تمام انسانوں میں محبت، اخلاقیات اور مساوات کا جذبہ بھی پیدا کیا گیا ہے جس سے ایک طرف اسلام طبقاتی نظام کو کچل کر تمام انسانوں میں برابری پیدا کر دیتا ہے۔دوسری طرف اسلام تمام انسانوں میں اتحاد بھی پیدا کرتا ہے یہ اتحاد دو انسانوں سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح تک ہے۔اس اتحاد کا بہترین مظہر نماز اور حج کے فرائض ہیں۔

ان عقائد کی رو سے اسلام کا تصور ایک مثالی انسان کا تصور ہے۔ابراہیم مدکور کے الفاظ میں:

> "The concept of man in Islam is ideal indeed,it is based on a message and aims at a definite goal. Man is not created in vain and is not left to the whims of his passions and lusts. His rights are prescribed, his duties enjoined,and his relations with others regulated. He is given a wide scope for thinking and working, provieded they are not to the detriment of his fellow-men. there are certain values which he must sanctify and maintain; Otherwise,chaos,injustice,and violence would reign."(28)
>
> (اسلام کا تصورِ انسان بلاشبہ مثالی ہے۔اس کی بنیاد متعین منزل کے پیغام اور مقاصد پر ہے۔انسان کو عبث پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی اُسے اپنی خواہشاتِ نفسانی کے چھوڑ دیا گیا۔اُس کے حقوق وفرائض کے بارے میں واضح ہدایات ہیں اور دیگر افراد کے ساتھ اُس کے تعلق کے مسلمہ اصول ہیں۔اُسے سوچنے اور عمل کرنے کے لیے وسیع تر مواقع دیے گئے ہیں۔معاصر انسانوں کے ساتھ برتاؤ کے لیے مخصوص اقدار کا تقدس اور تحفظ اُس پر لازم ہے ورنہ انتشار، ناانصافی اور تشدد کا تسلط قائم ہو جائے گا)

مذاہب عالم میں ہندومت کے بعض مخصوص نظریات اور بدھ مت میں فنائے کلی کے خیالات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو تمام مذاہب میں انسان کے بارے میں پیش کیے گئے تصورات میں کچھ زیادہ فکری بُعد نہیں پایا جاتا۔یہودیت اور مسیحیت کے مطابق انسان خدا کی شبیہہ پر تخلیق کیا گیا ہے تو قرآن مجید میں انسان کے ''احسنِ تقویم'' ہونے کا ذکر ہے۔اسی طرح خلیفۃ اللہ فی الارض اور خدا کی ارفع ترین مخلوق کا تصور بھی مشترک ہے۔

انسان کو اُس کی خواہشات کا اسفل ترین سطح پر کھینچ لے جانے کا تصور ہر مذہب میں مشترک ہے۔ زمانہ جاہلیت کی تاریکی میں کسی روشن مینار کے ظہور کے خیالات بھی ہر مذہب میں موجود ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں بعض تصورات کی نوعیت قدرے مختلف ضرور ہے۔

انسان سے شر دور کرنے کے لیے ہر مذہب نے علم کے حصول اور تربیتِ نفس پر بھی زور دیا ہے۔ اب اس علم کا حصول کیسے ممکن ہے اور تربیتِ نفس کے لیے اُسے کیا قرینے اختیار کرنے ہیں، اس سلسلے میں ہر مذہب نے بعض معروضی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا الگ نظام ترتیب دیا۔

مذاہبِ عالم میں امن و مساوات کو ایک بنیادی قدر کی حیثیت دی گئی۔ انسانوں کی سلامتی اور اُن کے مابین برابری کا سبق ہر مذہب نے دیا ہے۔ اب یہ امرِ حیرت ہے کہ زمین پر ہونے والے کشت و خون کے عمل کے تسلسل میں بیشتر اوقات مذاہب ہی کے پیروکاروں کا عمل دخل رہا ہے۔ اب تک اس سلسلے میں اگر کسی حرفِ استفہام کو اہمیت نہیں دی گئی تو فی زمانہ عصری حقائق کی روشنی میں اہلِ دانش کو اس پر غور ضرور کرنا ہوگا۔

# حوالہ جات

۱۔ جمال پانی پتی، ادب اور روایت، المدثر اکیڈمی، کراچی: ۱۹۹۴ء، ص ۲۳۱

2. George locatch, The idealogy of modernism, 20th century literary criticism,(ed) david lodge,london: longman, 1985, P:476

۳۔ الطاف حسین حالی، دیوانِ حالی، خزینہ ادب، لاہور: ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۹

4. Kathleen Raine, What is man, ipswich, Golgonooza Press, 1979, P:9

5. Karl marx, F Engels, Collected works (vol 20), masco, state political literaure publishing house, 1956, P:358

۶۔ اسداللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، (مرتبہ: حامد علی خان)، الفیصل، لاہور: ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۹

۷۔ دلیش بھگت لالہ، ہردیال سنگھ، ڈاکٹر، مذاہب اور انسانیت، میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور: ۱۹۳۸ء، ص ۹۸

۸۔ آر کے نارائن، مہابھارت، مترجم: نعیم احسن، نگارشات، لاہور: ۱۹۹۹، ص ۱۱۲

9. P.T Raju the concept of man, london: Ruskin house 1966, (2nd adition) P:320

10. What is man, P:17

۱۱۔ آر کے نارائن، مہابھارت، ص ۱۵۱

۱۲۔ ڈاکٹر داؤد رہبر، نیا دور، کراچی: شمارہ ۸۷، ۸۸، ص ۱۸۷

۱۳۔ سعید احمد، ادیانِ عالم میں تصور خیر وشر، مقالاتِ خیر وشر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۴ء، ص ۱۸۱

۱۴۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہبِ عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور: ۱۹۹۹ء، ص ۲۲

15. Ernist benz, The concept of man in christian thought, The concept of man (Ed) P.T Raju, Radhakrishnan, P:401

16. The concept of man, P:325

۱۷۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہبِ عالم، ص ۹۶

۱۸۔ کتابِ مقدس، بائبل سوسائٹی، لاہور: ص ۲

۱۹۔ ولی دکنی، انتخاب کلام ولی، (انتخاب: حسرت موہانی)، مکتبہ میری لائبریری، لاہور: ۱۹۸۴ء، ص ۵۲

20. The concept of man, P:399

۲۱۔ لوئس برک ہاف، مسیحی علم الٰہی کی تعلیم، مسیحی کتب خانہ، لاہور:۱۹۹۱ء،ص ۱۹۷

۲۲۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہبِ عالم، ص ۱۰۸

۲۳۔ ص ۷۵

۲۴۔ التین ۴

25. Ibrahim madkour, The concept of man in islamic thougt, The concept of man, P:475

۲۶۔ احزاب ۷۲

۲۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور:۱۹۷۲ء،۴/۱۳۷

28. Ibrahim madkour, The concept of man, P: 476